۲۲ جون ۱۹۷۳ء

ہفتہ وار

ہماری زبان

رجسٹرڈ نمبر ایل ۹۲۲
فون نمبر ۳۹

ایڈیٹر
آل احمد سرور

اشاعت کی تاریخیں
۱، ۸، ۱۵، ۲۲

قیمت سالانہ ۹ روپے
قیمت فی کاپی بیس پیسے

جلد ۳۲ | انجمن ترقی اردو ہند (علی گڑھ) | شمارہ ۲۴

اداریہ

احکام اور عمل میں بڑی گہری خلیج

اس وقت ہمارے ملک کا سب سے بڑا مسئلہ گرانی یا بے روزگاری یا بڑھتی ہوئی آبادی یا بڑھتی ہوئی ناتوانیت نہیں بلکہ احکام اور عمل میں گہری خلیج ہے کیونکہ اس کی وجہ سے یہ سب مسائل رائی سے پربت بن گئے ہیں۔ یہ خلیج کیوں پیدا ہوئی اور بڑھتی ہے؟ کیا وجہ ہے کہ اوپر کے احکام پر نیچے والے عمل نہیں کرتے۔ کیوں دفتری نظام معاملات کو طے کرنے کے بجائے انھیں الجھاتا رہتا ہے۔ کیوں کاغذات کو گردش دینا اور کسی نہ کسی بہانے سے تعمیل حکم کو ٹالنا عام ہوتا جا رہا ہے۔ غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ اس کے پیچھے ایک ایسا ذہن کام کر رہا ہے جو ملک کی ترقی کے لئے خطرہ ہے۔ یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ اتنے بڑے ملک میں اور ریاستوں کی اتنی بڑی تعداد میں، حکم اور نشانے میں کچھ فرق ہو ہی جائے گا، مگر اتنا فرق کہ احکام بے معنی معلوم ہونے لگیں اور عمل کی بے بضاعتی یہی بھیانک حقیقت بن کر سامنے آئے، ملک کی صحت اور سلامتی کے لئے نہایت مضر ہے۔ گرانی جس تیزی سے بڑھ رہی تھی اس پر مزید یہ ہوا ہے کہ ضرورت کی اشیاء کی قلت ہو گئی ہے اور وہ لوگ جو نہ دولت مند ہیں نہ بااثر اس گرانی کے علاوہ قلت کے بوجھ کے نیچے دبے جا رہے ہیں۔ مگر اوپر سے جو احکام آتے ہیں ان سے اس پریشانی اور تکلیف کا کوئی ازالہ نہیں ہوتا کیونکہ ان پر قرار واقعی عمل نہیں ہوتا اور شاید قرار واقعی عمل ہو بھی نہیں سکتا کیونکہ احکام کی خلاف ورزی پر کوئی باز پرس، کوئی کارروائی نہیں ہوتی۔ وزیروں کی تقریروں میں شاندار الفاظ کا ایک طلسم ہوتا ہے۔ لیکن ان تقریروں سے پیٹ تو نہیں بھر سکتا۔ اخباروں میں روز اعلانات شائع ہوتے ہیں، ریڈیو روز احکام نشر کرتا ہے مگر مقامی کارکنوں کے کان پر جوں بھی نہیں رینگتی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہماری سیاست طلسم بندی کی سیاست ہو گئی ہے شاندار اصول، خوش نما تصویریں، سہانے خواب۔ عوام اس طلسم میں کچھ دیر کے لئے گرفتار ہو جاتے ہیں مگر روزمرہ زندگی کے حقائق جب انھیں اپنے شکنجے میں کستے ہیں تو ان کا دم نکل جاتا ہے، اس لئے ضرورت ہے کہ اول تو احکام یہ دیکھ کر دیے جائیں کہ ان پر کتنا عمل ہو سکتا ہے اور ہمارے ڈھیلے ڈھالے نظام میں عمل کی کتنی صلاحیت ہے، دوسرے عمل کرانے پر خاص توجہ ہو اور عمل نہ کرنے پر باز پرس یا محاسبہ "تادیبی کارروائی، اردو کے مسئلے کو لے لیجئے۔ فی الحال ہم انجمن کے اس مطالبے کا ذکر نہیں کر رہے ہیں کہ ان ریاستوں میں جہاں اردو دوستوں کی معتدبہ آبادی ہے، اردو کو سرکاری زبان تسلیم کیا جائے۔ فی الحال یہ کہنا ہے کہ اردو کے سلسلے میں جو احکام ریاستی حکومتوں کی طرف سے جاری ہوتے ہیں ان پر بھی قرار واقعی عمل نہیں ہوا ہے۔ حکومت یہ سمجھتی ہے کہ اعلان سے مشکل حل

ہو جائیں گے لیکن یہ اس کی بہت بڑی غلطی ہے۔ اعلان سے توقع پیدا ہوتی ہے اور جب وہ توقع پوری نہیں ہوتی تو اس کا ردِ عمل بھی شدید ہوتا ہے اور لوگ جمہوری نظام سے ہی مایوس ہونے لگتے ہیں، اس لئے ان احکام پر عمل کرانا حکومت کا فرض اولین ہے۔ ابتدائی منزل پر اردو کے ذریعہ تعلیم کے لئے اسکول کھولنا، استادوں کی تربیت کے انتظامات کرنا، کتابیں فراہم کرنا، نئے استادوں کا تقرر کرنا، ان میں سے ایک بھی کڑی کمزور رہ گئی تو پوری زنجیر ٹوٹ جاتی ہے۔ آج عوام میں جو بددلی یا بیزاری یا برہمی ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ ان تفصیلات پر کوئی غور نہیں کرتا حالانکہ حقیقت ان تفصیلات ہی میں ہے۔ ہم سارے مسئلے اور اس کی تاریخ پر غور کرکے اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اس صورت حال میں احکام پر قرار واقعی عمل اسی وقت ہو سکتا ہے جب اردو کے حقوق کو قانونی شکل دے دی جائے۔ آخر دستور میں اس کی پوری گنجائش ہے۔ پھر اس سے کام کیوں نہیں لیا جاتا لیکن قرار واقعی عمل نہ کرنے سے ایک اور بات بھی ظاہر ہوتی ہے جو اخلاقی نقطۂ نظر سے تشویش ناک ہے، آخر ہم کس نظام اخلاق کو ہوا دے رہے ہیں وعدوں میں یہ گرم جوشی اور عمل میں سرد مہری کہیں ایک اخلاقی زوال کو تو ظاہر نہیں کرتی۔ اگر لفظ بے معنی ہو جائیں، اگر رات کو دن کہا جائے، اگر شکایت پر برہمی عام ہو جائے، اگر حقیقت حال بیان کرنے کو تاریک خیالی قرار دیا جائے، اگر روشن خیالی کے معنی ہر بات ہی وزیروں اور افسروں کو سراہنے کے ہو جائیں تو ہماری جمہوریت کو جس کی عمر ابھی چند آٹھ دن کی ہے، پنپنے اور پھولنے پھلنے کا موقع کیسے مل سکتا ہے۔ اس لئے جمہوریت کے پرستاروں اور ہندوستانی عوام کے بہی خواہوں کا فرض ہے کہ وہ دل خوش کن الفاظ کے چٹخارے سے نکلیں اور حقیقت کے ٹھوس اور عملی روپ پر اصرار کریں۔ اگر حکومت کے اعلانوں یا ریڈیو کے نشریوں یا اخباروں کے تبصروں کو دیکھیں تو ملک میں ہر طرح خیریت ہے اور اگر عام زندگی کو دیکھیں تو پھر اکبر کا شعر بے ساختہ یاد آتا ہے ؎

گھر سے خط آیا ہے کل ہو گیا چہلم اُن کا
پانیر کہتا ہے بیمار کا حال اچھا ہے

اردو مصنفوں اور شاعروں کو انعامات

بھوپال:- مدھیہ پردیش شاسن ساہتیہ اکیڈمی نے وزیر اعلیٰ شری پی سی سیٹھی کی صدارت میں یہ فیصلہ کیا کہ اس سال سے اردو کتب پر بھی دو انعامات دئے جائیں۔ شاعری پر غالب انعام اور نثر پر امیر خسرو انعام دیا جائے گا۔ پریشد کے اس فیصلہ کا خیر مقدم کرتے ہوئے ایم پی انجمن کے جنرل سکریٹری پروفیسر آفاق احمد اور حلقۂ ارباب ادب کے جنرل سکریٹری پروفیسر حسن مسعود نے اپنے ایک مشترکہ بیان میں کہا ہے کہ اس طرح انجمن ترقی اردو کے مطالبہ کی ایک شق پوری ہوئی۔ ضرورت ہے کہ انعامات کی تعداد میں اضافہ کیا جائے نیز شاسن ساہتیہ پریشد میں اردو کو نمائندگی دی جائے۔

۔ نامہ نگار

ماہنامہ شہود کا اقبال نمبر

ماہنامہ شہود (کلکتہ) کا ضخیم "اقبال نمبر" حال ہی میں شائع ہوا ہے۔ جس میں مشاہیر اہل قلم حضرات کی تخلیقات شامل ہیں۔ اتنی صفحات پر مشتمل اس نمبر کی قیمت ایک روپیہ چار آنہ ہے۔

ملنے کا پتہ ماہنامہ شہود، ۸۳-۱۰۲ بیلگچھیا روڈ (شہود نگر) کلکتہ ۳۷

نئی دنیا کا اجراء

ہفت روزہ نئی دنیا جناب عبد الوحید صدیقی کی زیر ادارت پھر شائع ہو رہا ہے۔ ایجنسی یا سول ایجنسی کے لئے مندرجہ ذیل پتہ پر خط و کتابت کی جا سکتی ہے۔ منیجر نئی دنیا ڈی-۱ نظام الدین ایسٹ۔ نئی دہلی ۱۳۔

عبد الوحید صدیقی

تصحیح

۸ر جون کے شمارے میں صفحہ ۱۲ پر تیرھویں صدی کی فارسی نثر پر تبصرے میں کتاب کے مصنف کا نام ممتاز علی خاں کی بجائے ممتاز احمد چھپ گیا ہے۔ قارئین ہماری زبان نوٹ فرما لیں۔

(ادارہ)

ڈاکٹر شمیم حنفی

بھگتوں کی صوفیانہ شاعری

(میرا بائی)

شاعری انسانی شعور اور ادراک کے ایک پیچیدہ اور پُراسرار عمل کا نتیجہ ہوتی ہے۔ شاید یہی سبب ہے کہ عام انسانی نظریات کو شعر کے بجائے نثر کے پیرائے میں زیادہ وضاحت اور قطعیت یا دلیل و منطق کے ساتھ بیان کیا جا سکتا ہے لیکن شاعری کے عناصر ترکیبی، شاعر کی تخلیقی آزادی اور خود مختاری، شاعر کے تخیل کا پھیلاؤ اور جذبے کی گہرائی، اس کے حسی تجربوں کا طلسم و تماشہ، اس کے آہنگ و اصوات کی فسوں سامانی، اس کے فنی اظہار اور عام نثری اظہار کے مابین ایک فاصلے کا احساس ہمیشہ قائم رکھتے ہیں۔

وہ تمام شعرا جو بھگتی کی عظیم الشان تحریک سے منسلک تھے، اول اور آخر شاعر تھے۔ ان سے یہ توقع کرنا کہ اپنی شاعری میں وہ بھگتی یا تصوف کے فلسفیانہ نظام کا مرتب، مفصل یا متعین خاکہ پیش کریں گے کچھ زیادہ مناسب نہیں، دانش کی ایک کرن ہر وجدانی اور روحانی تجربے کو بھی منور کرتی ہے لیکن یہ روشنی علم کے بجائے حواس اور شاعر کی پوری شخصیت کی آفریدہ ہوتی ہے۔ یہ روشنی اس شخصیت کا روحانی، وجدانی اور جمالیاتی اظہار ہے۔ عہد وسطیٰ کی بھگتی تحریک اور صوفیانہ میلانات نے جو سماجی، تہذیبی اور فکری رجحانات عام کیے وہ بھگتی اور تصوف کی شاعری کا صرف ایک رخ پیش کرتے ہیں۔ ان رجحانات کو دراصل اس روحانی تب و تاب، اور سوز و ساز کا جزوی اظہار کہنا چاہیے جس کا کلیدی تصور اور بنیادی قدر عشق سے عبارت ہے، یہ تہذیب ذات کا ایک پرتو ہے یا فطرت کے مظاہر اور معاملات انسانی کی طرف ایک مخصوص ذہنی رویہ۔ یہ اور بات ہے کہ عشق کی یہ قدر نہ صرف شاعر کی انفرادی زندگی کے پورے نظام بلکہ اس کے متعلقات اور گرد و پیش کی زندگی کے نظام پر بھی گہرے اثرات ڈالتی ہے۔

یہاں اس حقیقت کو ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے کہ تصوف اور بھگتی کے پس میلان کا حقیقی سرچشمہ مذہب رہا ہے۔ بعض حضرات اپنی روشن خیالی کے اظہار کے لیے یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ تصوف کو اسلامی شریعت سے متضاد یا اس کے متوازی میلان کے طور پر دیکھیں۔ میرے نزدیک یہ صرف نظریاتی کم مائیگی ہی نہیں علمی بددیانتی کا بھی ثبوت ہے اور اس کا سبب محض ناواقفیت نہیں بلکہ چند ایسے ذہنی تحفظات اور تعصبات ہیں جو اپنے نظریے اپنی روشن خیالی کے اثبات کے لیے مذہب کی نفی کو لازم و ناگزیر سمجھتے ہیں۔ اس تجاہل عارفانہ نے تصوف یا بھگتی کی جو تصویر مرتب کی ہے وہ ہر لحاظ سے ناقص اور ادھوری رہ جاتی ہے۔

صوفیا کی اکثریت نے اپنے جذبے و فکر کی بنیاد دینی یا اسلامی نظام اقدار و اخلاق اور دستور العمل پر استوار کی ہے۔ ان کی روشن خیالی کا ماخذ عقیدے کی روشنی ہے۔ وہ عصبیت اور جارح دین داری یا تنگ نظری کے مخالف تھے، لیکن دین کے پابند تھے۔ ان کی آزادیاں اندھی عقیدہ پرستی سے گریزاں لیکن عقیدے کے ایک وسیع، ہمہ گیر اور روشن تصور سے ہم رشتہ تھیں۔ انھوں نے اس بے دریغ شریعت زدگی پر تنقید و تنبیہ کی نظر ڈالی جو حقیقت اولیٰ کے نزدیک ایک انسان کو دوسرے انسان سے محض اس کے ذاتی عقائد یا اس کے نسلی، علاقائی اور ارضی رشتوں کی بنیاد پر کم تر یا برتر ثابت کرتی ہے لیکن ان کی یہ وسیع المشربی بھی اصلاً اسی نظام اخلاق و اقدار کی پروردہ ہے جس کا سرچشمہ اسلام رہا ہے۔

ابھی چند برس پہلے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں سرسید میموریل لکچرز کے سلسلے میں ڈاکٹر تارا چند نے دو خطبات دیے تھے "قومی یک جہتی اور سیکولرازم" کے موضوعات پر۔ انھیں خطبات میں ڈاکٹر تارا چند نے کہا تھا کہ دنیا کی عظیم تہذیبوں میں سب سے کم عمر تہذیب جو ہمیں ایک فکر انگیز تجربہ عطا کرتی ہے اسلامی ثقافت ہے اور ہندو مت کی طرح اسلام بھی ایک مکمل ضابطۂ قوانین و احکامات فراہم کرتا ہے جو انسان کے تمام اعمال کا احاطہ کرتے ہیں۔

بھگتوں اور صوفیوں کے شعری عمل و اظہار کی لہریں بھی ان کے عقائد ہی کے دائروں میں گردش کرتی ہیں۔ تمام مسلمان صوفیا شروع ہی سے قرآن کے الٰہی تصور سے منسلک رہے۔ دوسری صدی ہجری کی صوفی شاعرہ رابعہ کا قول ہے کہ مجھے عشق الٰہی نے اتنا جذب کر لیا ہے کہ اب کسی اور شے کی محبت یا نفرت میرے دل میں باقی نہیں رہ گئی ہے۔ رابعہ نے محبوب حقیقی یا حقیقت اولیٰ یا انتم ستیہ ([illegible]) کی طرف گہری اور شدید جذباتی عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ اس عقیدت کی نوعیت محب اور محبوب کے درمیانی امتیازات کو ختم کر کے ایک ایسی وحدت کی تشکیل کرتی ہے جسے عشق کا نام دیا جا سکتا ہے، جہاں ایک جذبے کی توانا لہر دو لفظوں کو ایک ہی مرکز پر یکجا کر دیتی ہے۔ عربی اور فارسی کی صوفیانہ شاعری میں یہی رجحان غالب عنصر کی حیثیت رکھتا ہے۔ بھگتی کے شناختی نشان کے طور پر بھی اگر صرف ایک لفظ کی شرط عائد کی جائے تو وہ لفظ عشق ہوگا۔

بعض مورخین کا خیال ہے کہ بھگتی کی پوری شاعری دراصل صوفیانہ شاعری کی بازگشت ہے۔ یہ تصور تاریخی اعتبار سے غلط ہے۔ یہ صحیح ہے کہ عہد وسطیٰ کی بھگتی تحریک پر مسلمانوں کے اثرات بہت گہرے اور دور رس رہے اور بھگتی کی تحریک جس پس منظر سے ابھری اس کا خاکہ برہمنیت کے ہاتھوں بدھ مت کی شکست

اور پھر برہمنیت کی رسوم زدگی نے تیار کیا تھا بھگتی تحریک اسی رسوم زدگی کا فطری ردعمل تھی۔ اسی رسوم زدگی نے اعلیٰ تر سطح پر مذہب کو فلسفیانہ موشگافیوں کا موضوع بنا دیا تھا اور عوام الناس جو مذہب کو اخلاقی اور جذباتی ضرورتوں کی آسودگی کا ذریعہ سمجھتے تھے ان کی سمجھ سے مذہب بالاتر ہوتا جا رہا تھا لیکن مذہبی اصطلاح کے طور پر لفظ بھگتی دوسری صدی قبل مسیح میں بھی مستعمل تھا یہ اصطلاح پالی ادب میں بھی موجود تھی۔ البتہ مسلمانوں کی آمد سے پہلے بھگتی مارگ پر رسوم کی گرفت بہت سخت تھی اور یہ رامانج، مادھو، وشنو سوامی، اور نمبارک وغیرہ کے سنکوں (आचार्यों) میں بٹا ہوا تھا۔ رامانج کے ایک شاگرد رامانند سے بھگتی کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ کبیر انھیں رامانند کے چیلے تھے۔ اس وقت بھی بعض بھگت مثلاً نابھ داس اور تلسی داس وغیرہ ویدوں کی برتری کے تصور اور ماضی کی روایات و رسوم کی اہمیت سے انکار پر آمادہ نہیں تھے لیکن کبیر اور دوسرے کئی بھگتوں نے بہت سی روایتوں کو فضول کہا، ذات پات کے بندھنوں کو توڑ ڈالا اور اپنی انھیں روشن خیالیوں کے باعث ویدوں کے تقدس پر بھی شبہے کی نظر ڈالی۔ دراصل انھیں بھگتوں پر اسلامی تعلیمات اور نظام اقدار یا تصوف کے اثرات واضح دکھائی دیتے ہیں۔ اس مختصر گفتگو میں تفصیلات کے بیان کی گنجائش نہیں۔ اشارۃً یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ کبیر نے اللہ، خدا، کلمہ، رحیم، رحمان صاحب جیسے الفاظ کا استعمال اپنی شاعری میں محض لسانی ضرورت کی تکمیل کے طور پر نہیں کیا ہے۔ ان کی طبیعت کی کشادگی، نظر کی وسعت اور شخصیت کی ہمہ گیری اسلام اور ہندومت دونوں کی روح کا محاصرہ کرتی ہے۔ وہ پہلے بھگت شاعر ہیں جن کے الفاظ میں تصوف کی روح بھی مرتعش نظر آتی ہے۔ اسی طرح نانک کا رشتہ بھی اسلام سے بہت مضبوط تھا۔ وہ مسلمان صوفیا کے ہم نشین تھے۔ بو علی شاہ قلندر پانی پتی، شیخ ابراہیم اور میاں میٹھا سے ان کی گفتگو کی مفصل روداد جنم ساکھی میں ملتی ہیں بلکہ نانک صاحب پر اسلام کے بنیادی عناصر کا نقش بہت گہرا ہے۔ کبیر اور نانک دونوں کی شاعری میں انسانی اخوت مساوات اور آزادگی کے کئی ایسے رنگ ملتے ہیں جو مسلمانوں کی آمد سے پہلے ہندوستان کی فضاؤں میں تقریباً ناپید تھے۔

ایک ذاتی (PERSONAL) خدا میں یقین اور اخلاقی ضابطے پر ایمان کا سلسلہ بھی کبیر ہی سے شروع ہوا۔ جن شعراء نے اس طرز فکر کی اشاعت میں نمایاں حصہ لیا ان میں دادو، دھنّا، میرابائی، تکارام اور سورداس کے نام اہم ہیں۔ ہندو بھگتوں میں فکر اور جذبے کی یہ رو اسلامی تعلیمات اور تصوف کے بالواسطہ اثرات سے تیز تر ہو گئی۔ اسلام نے شعوری اور غیر شعوری دونوں سطحوں پر بعض بھگتوں کو انسان کے سماجی منصب، حقیقت ازلی سے اس کے رشتے اور دینوی نیز روحانی مقاصد کے حصول کا ایک نیا شعور عطا کیا۔ یہ شعور مسلمانوں کی آمد سے پہلے بھی کسی نہ کسی حد تک رونما ہونے لگا تھا لیکن ہندوستان میں مسلمانوں کی موجودگی اور صوفیا کے بڑھتے ہوئے دائرۂ اثر نے اس کے فروغ کی لے تیز تر کر دی۔

پھر بھی جیسا کہ میں شروع ہی میں عرض کر چکا ہوں، اس حقیقت کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ بیشتر بھگت مذہب سے اپنے گہرے ربط و تعلق کے باوجود مذہب کے مفسر یا عالم سے زیادہ اس کے عارف تھے۔ ان کی بھگتی ذہنی اکتساب سے زیادہ شخصی اور روحانی نیز جذباتی وفور کی مرہون منت تھی خاص طور سے میرابائی جو کسی سمپردائے سے متعلق نہیں تھی، اس کی بھگتی کی بنیاد اس کے انفرادی احساس اور جذبے کے اضطراب و اشتعال پر قائم ہے جس کا مرکز و محور عشق کی ایک موج سربلند ہے۔ یہ موج اس کے پورے وجود کا محاصرہ کرتی ہے، اس طرح کہ وہ اپنے محبوب ہی کی وسیع تر ذات کا ایک جز بن جاتی ہے۔ ناصر کاظمی مرحوم نے میر اور میرابائی کو بیک وقت اپنا ہمعصر کہا تھا۔ انتظار حسین سے روایت ہے کہ ناصر کاظمی نے اپنی یہ غزل "تیرے سوا مجھے پہنے کون / میں تیرے تن کا کپڑا ہوں" میرابائی ہی کے ایک بھجن سے متاثر ہو کر کہی تھی۔ میر اور میرابائی دونوں کی مشترک قدر عشق ہے۔ دونوں کی شخصیت کی تہذیب اسی قدر سے ہوتی ہے دونوں کی شاعری کسی سماجی نظریے یا فلسفیانہ تصور کا دعویٰ نہیں کرتی۔ دونوں کی شخصیت کا اظہار احساس کی سطح پر گزاری جانے والی زندگی کے رنگ و آہنگ کے ذریعہ ہوتا ہے۔ دونوں کے لہجے اور تجربے کا گداز فراق و مہجوری کی آنچ سے نکھرتا ہے اور دونوں محبت میں مٹ کر زندگی پاتے ہیں۔ دونوں کے یہاں محبت ظلمت سے نور کا ڈھنی ہے اور دونوں کے تخلیقی وجود کا اظہار محبت ہی سے ہوتا ہے۔ دونوں کے یہاں عشق کی تہذیب جس قدر سے ہوتی ہے وہ شریعت اور طریقت کے بجائے اس کی ارفع تر منزلوں یعنی معرفت اور حقیقت سے عبارت ہے۔

صوفیا کی طرح ارضی اور انسانی جمال کے مظاہر کو میرابائی بھی عارضی اور قلیل الحیات تصور کرتی ہے۔ عین جوانی میں شوہر کی موت پر میرابائی نے کہا تھا ع

ایسے ور کو کیا بریئے جو جنمے اور مر جائے

اس زمانے کی رسم کے مطابق اپنے شوہر کی چتا ساتھ ستی ہونے پر بھی آمادہ نہیں ہوئی کیونکہ اس نے محبوب حقیقی یا اس حسن سے اپنا رشتہ قائم کر لیا تھا جو فنا، زوال اور موت کے لیے ناقابل تسخیر ہے۔

کرشن بھگتی کے تمام شعراء میں میرابائی کو یہ امتیاز (اور سہولت) بھی حاصل ہے کہ وہ دوسرے کرشن بھگتوں کی

طرح رادھا کو اپنے عشقیہ جذبے کے اظہار کا وسیلہ نہیں بناتی بلکہ کرشن سے ایک براہِ راست تعلق کا اظہار کرتی ہے۔ اسی لئے اس کے جذبے میں نسبتاً زیادہ صداقت، وفور اور توانائی ملتی ہے۔ ولبھ آچاریہ نے شنکر کے مایاواد کے بجائے وحدت الوجودی شدادویت نظر کی اشاعت کی تھی جس کے مطابق حقیقتِ اولیٰ کائنات کے ہر منظر میں اپنے ہی جلووں کی نمائش کرتی ہے۔ ولبھ آچاریہ کے نزدیک یہ حقیقتِ اولیٰ کرشن کی ذات سے عبارت تھی۔ کرشن اُن کے نزدیک کائناتِ ارضی کا روحانی ہیولیٰ ہے اور فطرت کے تمام مظاہر میں یہی ہیولیٰ گردش کر رہا ہے۔ یہ ساری کائنات کرشن ہی کی لیلا ([illegible]) ہے یا غالب کے الفاظ میں اسی معشوق کی یکتائی کا جلوہ اور اسی حسن کی خود بینی کا عکس ہے۔ میرا بائی نے اپنے بھجنوں میں کرشن کی پرستش کے بے حساب جذبے کو از خود رفتگی کی جس لے سے ہم آہنگ کیا ہے اس کی مثالیں اردو اور فارسی کی صوفیانہ شاعری میں بکثرت مل جائیں گی۔ میرا بائی نے سادھنا اور بھگتی کو ہی اپنے جذباتی اضطراب اور جوش کا وسیلۂ اظہار بنایا ہے اور صوفی شعرا کی طرح ارضی محبت کی علامتوں میں اپنے عشق کا بیان کیا ہے۔ وہ کرشن جو اس کے نزدیک کائنات کا مظہر ہے اُسے میرا بائی کئی ناموں سے یاد کرتی ہے، بانکے بہاری، ہری، شیام سندر، گوپال، ٹھاکر، بلبیر، کنج بہاری، نند کمار، مدن موہن، نند لال، موہن، بنسی والے، سانورہ ([illegible])، شیام، مراری، غرضیکہ وہ اپنے محبوب کو ایک جیتا جاگتا پیکر بنا دیتی ہے اور اس کی بھگتی کو محض عقیدے یا گمان کا سہارا نہیں لینا پڑتا۔ وہ کہتی ہے:

میرے تو گردھر گوپال دوسرو نہ کوئی
جا کے سر مور مکٹ میرو پتی سوئی
تات مات بھرات بندھو آپنا نہیں کوئی
چھوڑ دی کل کی کانی کیا کرے کوئی

چند اور مصرعے ملاحظہ ہوں:

بن من چرن کنول ابناسی
کہا بھیو تیرتھ برت کینھے کہا لیے کروت کاسی
کہا بھیو ہے بھگوا پہریاں گھر تج بھیے سنیاسی
میرا کے پربھو گردھر ناگر کاٹ جنم کی پھانسی

جنم کی پھانسی یا حیاتِ ارضی کی زنجیر سے رہائی کی اس آرزو کو صوفیا نے وصال کا نام دیا ہے جہاں قطرہ سمندر سے ہم آغوش ہو جاتا ہے اور عاشق و معشوق دونوں اس وحدت میں ڈھل جاتے ہیں جو حقیقت ہی کی ایک شکل ہے۔

(بشکریہ آل انڈیا ریڈیو، دہلی)

(صفحہ ۲ سے آگے)

ہمارا درج ذیل پروگرام کامیابی سے ہمکنار ہو سکے۔

(۱) جولائی سے تنظیمی مہم اور شاخوں کو فعال بنانا۔

(۲) اتر پردیش کو چار حلقوں میں تقسیم کر کے تنظیمی امور وغیرہ کے سپرد کرنا۔

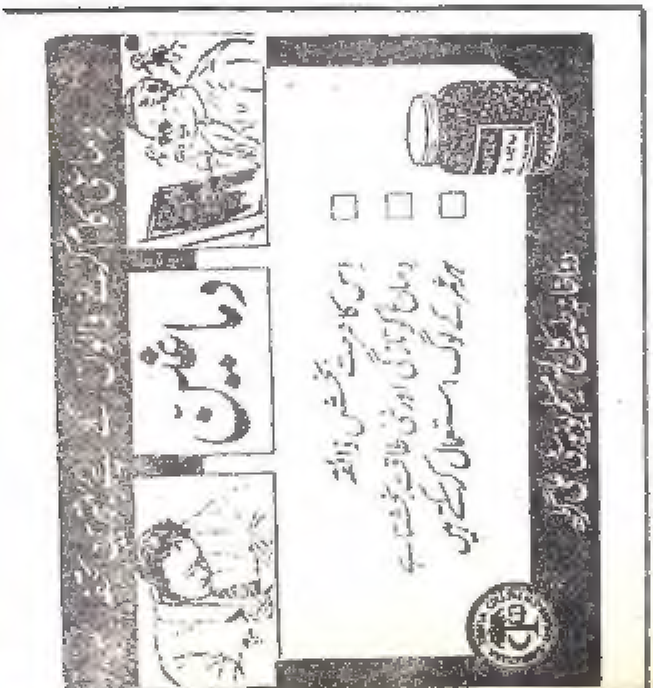
(۳) دفتر کو باقاعدگی کے ساتھ چلانے کے لئے ایک مستقل عملہ جس میں ایک کلرک اور چپراسی شامل ہو تقرر کرنا اس کے واسطے تقریباً پانچ ہزار روپیہ کی ضرورت ہے۔ • راحت علی خاں
• جنرل سکریٹری

راجستھان ریاستی شاخ کی سالانہ رپورٹ اگلے شمارے میں شائع ہوگی۔ (ادارہ)

(صفحہ ۸ سے آگے)

نہیں پہنچتا۔ اردو کی بہترین نایاب کتابوں میں پکوڑے باندھے جاتے ہیں۔ میرے گھر میں ڈپٹی نذیر احمد کی ایک کتاب اور کچھ دوسری انقلابی کتابیں تھیں جو میں نے کپڑے میں باندھ کر رکھ دی تھیں لیکن بچوں نے انھیں فضول سمجھ کر ردی میں فروخت کر دیا اب ان بچوں کو یہ کمیٹی اردو کیسے سکھائے گی؟ یہ بات میری سمجھ سے بالاتر ہے۔ سانپ نکل گیا اب لکیر پیٹنے سے کیا فائدہ۔ اگر واقعی اردو کو ایک ورثہ کی حیثیت زندہ رکھنا ہے تو اب ایک ہی صورت ہے کہ اردو کی تعلیم کو پھر لازمی قرار دیا جائے۔ ورنہ اس کے پنپنے کے آثار دکھائی نہیں دیتے۔

امرتسر • دانش نوشہروی



اتر پردیش میں اردو کی تیز رفتار ترقی

موجودہ ریاستی حکومت کی طرف سے

زبردست سہولتیں

اردو جسے دستور ہند میں ایک قومی زبان کا درجہ حاصل ہے ہمارے ملک خاص طور سے ہماری ریاست اتر پردیش کی ایک اہم اور مقبول عام زبان ہے۔ یہ کسی ایک فرقے یا مذہب کی زبان نہیں اس کے چمن کی آبیاری میں سب برابر کے شریک اور حصے دار ہیں اتر پردیش کی موجودہ ریاستی حکومت نے اس کے پھلنے پھولنے اور اس کی ترقی و توسیع کے لئے متعدد اہم اور دوررس اقدامات کئے ہیں۔

پرائمری سطح پر:۔

- جولائی ۱۹۷۲ء سے ریاست کے تمام شہری علاقوں کے ہر پرائمری اسکول میں اردو پڑھنے کی سہولت۔
- اس مقصد کے لئے تقریباً چار ہزار اردو ٹیچروں کی تقرری کا فیصلہ
- اگر کسی پرائمری اسکول میں فی الحال اردو پڑھنے والے بچے نہ بھی ہوں تب بھی اس اسکول میں کم سے کم ایک اردو ٹیچر کا انتظام ہوگا۔
- تمام تسلیم شدہ اردو میڈیم اسکولوں اور مکتبوں کو مالی امداد دینے کا بندوبست۔
- ٹریننگ اسکولوں میں اردو کی استعداد رکھنے والے امیدواروں کو داخلے میں سہولت۔
- اردو کے ٹرینڈ ٹیچر نہ ملنے پر اَن ٹرینڈ اردو ٹیچروں کی تقرری کا فیصلہ۔
- کوئی اَن ٹرینڈ اردو ٹیچر ادب کے احکامات کے بغیر ملازمت سے علاحدہ نہیں کیا جائے گا۔
- ٹیچروں کو اردو پڑھنے کی جانب زیادہ سے زیادہ متوجہ کرنے کے لئے ترغیبی الاؤنس جاری رکھنے کا فیصلہ۔
- نئے اردو میڈیم اسکول قائم کرنے اور کوششوں کی یقین دہانی۔

ثانوی سطح پر:۔

- جونیئر اور ہائر سکنڈری اسکولوں میں سہ لسانی فارمولے کے تحت اردو پڑھنے کا بندوبست۔
- ہر گورنمنٹ ہائر سکنڈری اسکول میں سہ لسانی فارمولے کے تحت اردو کی تعلیم کے لئے ایک اردو ٹیچر کی تقرری۔
- تسلیم شدہ ہائر سکنڈری اسکولوں میں بھی سہ لسانی فارمولے کے تحت اردو کی تعلیم کا بندوبست کئے جانے کے احکامات۔
- جونیئر ہائی اسکول تک تمام کتابیں اردو میں دستیاب۔

ڈپٹی ڈائرکٹر (اردو)

- اردو کی تعلیم اس کی دیکھ بھال اور ترقی کی رفتار تیز کرنے کے لئے ڈپٹی ڈائرکٹر (اردو) کی تقرری۔

ڈگری سطح پر:۔

- اعلیٰ سطح پر بھی اردو کی تعلیم کا بندوبست۔
- بجنور، میرٹھ، سہارنپور، مظفر نگر، پیلی بھیت، بریلی، مرادآباد، رامپور وغیرہ کے ضلعوں میں ایک ایک ڈگری کالج کو ڈگری کلاسوں میں اردو پڑھانے کے لئے آئندہ تعلیمی سال سے مالی امداد دینے کا فیصلہ۔
- یونیورسٹیوں کے علاوہ ان سے الحاق شدہ ڈگری کالجوں میں بھی اردو کی تعلیم کی سہولت مہیا کرنے کے لئے کارروائی۔
- تمام گورنمنٹ کالجوں میں گریجویٹ اور پوسٹ گریجویٹ کی سطح پر اردو کی تعلیم کا بندوبست۔

اردو اکاڈمی:۔

- اردو زبان کے تحفظ اور اردو ادب کی ترقی کے لئے ملک بھر میں سب سے پہلے ریاست اتر پردیش میں اردو اکاڈمی کا قیام۔
- اکاڈمی کے قیام سے ریاست میں اردو زبان و ادب کا مستقبل روشن۔
- اردو ادیبوں، شاعروں، لائبریریوں اور مطالعہ گھروں کو اکاڈمی کی جانب سے اب تک پانچ لاکھ روپیہ کے انعامات و مالی امداد۔

عدالتی اور سرکاری کاموں میں اردو کے لئے سہولت:۔

- تمام ضلع افسران کو اردو میں لکھی ہوئی درخواستیں قبول کرنے کے سخت احکامات۔
- ان احکامات کی خلاف ورزی کرنے والے افسران کے خلاف تادیبی کارروائی کی جائے گی۔
- دیوانی ملازمتوں کے لئے اردو کا امتحان بھی پاس کرنا ضروری
- اہم قوانین، قواعد اور سرکاری اعلانات اور فہرست رائے دہندگان کی اردو میں بھی اشاعت۔
- ہندی کی طرح اردو اخبارات کو بھی سہولتیں۔

اردو ہماری، آپ کی سب کی زبان ہے

اس کی خدمت کرنا اور ترقی دینا ہمارا فریضہ ہے

محکمۂ اطلاعات اتر پردیش کی جانب سے جاری کیا گیا

سالانہ رپورٹ ریاستی شاخ انجمن ترقی اردو اتر پردیش

بابت ۷۳ — ۱۹۷۲ء

ریاستی انجمن ترقی اردو اتر پردیش نے باوجود مالی مشکلات اور دوسری دقتوں کے اس سال پوری ریاست میں اردو تعلیم کے سلسلے میں جد و جہد کی، جگہ جگہ اردو کی لائبریریاں کھلوائیں اور شاخوں کی تنظیم پر توجہ دی۔ اس کی تفصیل اس طرح ہے۔

تعلیمی مہم :-

تعلیم بالغان کے سلسلہ میں لکھنؤ میں ریاستی انجمن کے تعاون اور تعلیم گھر کی نگرانی میں ڈالی گنج اور حسن گنج کے علاقہ میں اردو کی تعلیم کے ۲۵ مراکز کھولے گئے۔ جن میں ۲۱ عورتوں اور ۴ مردوں کے مرکز ہیں۔ عورتوں کے کلاسز دن میں اور مردوں کے رات میں لگتے ہیں۔

یہ تعلیمی مہم گزشتہ نومبر ۱۹۷۲ء میں شروع ہوئی تھی اب تک تقریباً ڈیڑھ سو افراد نے تعلیم گھر کا ابتدائی امتحان "اردو خواں" پاس کر لیا ہے۔ یہ امتحان درجہ ۳ تک اردو کی لکھائی اور پڑھائی کی لیاقت رکھتا ہے۔ اب طلبہ کو تعلیم گھر کے دوسرے امتحان "اردو داں" کے لئے تیار کیا جا رہا ہے۔

توقع ہے کہ چھ ماہ کی پڑھائی کے بعد ان کو درجہ ۵ تک کی لیاقت پیدا ہو جائے گی اور اسی معیار کے مطابق لکھنے اور پڑھنے کی لیاقت بھی ہو جائے گی۔

اسی طرح کے دو مرکز فتحپور ضلع کے موضع اسی (تحصیل فتح پور) اور موضع بہٹہ (تحصیل بندکی) میں کنور راجیندر پرتاپ سنگھ منیجر ادھیاکرن انٹر کالج جہاں آباد (ضلع فتحپور) کی نگرانی میں کھولے گئے ہیں۔

گورکھپور میں بھی ہفتہ عشرہ میں یہ تعلیمی مہم شروع ہو جائے گی۔ یہاں حکیم ابو الکلام صدیقی (ممبر مجلس عاملہ ریاستی شاخ) نے اس کام کو شروع کرنے کا وعدہ کر لیا ہے اور اس کی شروعات بھی کر دی ہے۔

میرٹھ میں پروفیسر حسنی بیگم اور کھتولی (مظفر نگر) میں سید حشمت علی سبزواری صاحب اس کام کو دیکھ رہے ہیں۔ تعلیمی مہم کی ڈائرکٹر بیگم سلطانہ حیات صاحبہ (نائب صدر ریاستی شاخ) ہیں۔ بارہ بنکی ضلع میں مقامی انجمن ترقی اردو شاخ نے ہر بلاک کا جائزہ لے لیا ہے امید ہے کہ وہاں آئندہ جولائی میں تعلیمی مہم کا آغاز ہو جائے گا۔

اردو تعلیم میں رکاوٹ :-

راٹھ بریلی کے انٹر کلاسز اور بہرائچ کے تارا گرلس انٹر کالج میں ہائی اسکول کے کلاسز میں اردو کی تعلیم کا انتظام نہیں ہے۔ سرپرستوں اور اردو کے خواہشمند طلبہ اور طالبات کی شکایت پر ڈپٹی ڈائرکٹر تعلیمات اردو اور دوسرے متعلقہ افسروں کو متوجہ کیا گیا ہے ابھی تک شکایات دور نہیں ہوئی ہیں اس کے علاوہ ہردوئی سندیلہ وغیرہ کے بارے میں خط و کتابت جاری ہے۔

لائبریریاں :-

غالب لائبریری نان پارہ (گوشہ ادب بہرائچ)، کوڑا جہاں آباد اور مولانا عبد الماجد لائبریری دریاباد۔

مظفر نگر میں اردو کی جدید لائبریریاں قائم کرنے میں مدد دی گئی اور اردو اکاڈمی میں ان کے لئے امدادی رقم کا انتظام کرایا گیا۔ علاوہ ازیں ریاست کی دوسری لائبریریوں کی امداد کے لئے بھی سعی کی گئی۔

شاخوں کی تنظیم :-

اس بار بارہ بنکی کے پورے ضلع کو آرگنائز کیا گیا اور ہر بلاک میں انجمن کی شاخیں قائم کی گئیں یہ تجربہ کامیاب رہا آئندہ سال سے دوسرے اضلاع میں بھی اس پر عمل کیا جائے گا۔ اناوہ، میرٹھ، مظفر نگر اور فتح پور کے اضلاع میں ریاستی انجمن کی جدید شاخیں قائم ہوئیں۔

انتخابات :-

اس سال فہرست سازی مہم کی وجہ سے ابھی تک بستی، رامپور، بارہ بنکی اور بہرائچ کے اضلاع کی شاخوں کے انتخابات مکمل ہو پائے ہیں، اتر پردیش کے بیشتر اضلاع کی شاخوں کی رپورٹ موصول نہیں ہوئی ہے۔

عام حالات :-

ریاستی انجمن کے جنرل سکریٹری اور دیگر حضرات نے اردو کے مسئلہ پر ذمہ داران حکومت سے گفتگو کی اور ان کو اردو کے درپیش مسائل سے آگاہ کیا۔

خاتمہ کلام :-

انجمن نے جو کچھ کیا وہ اس لحاظ سے حیرت انگیز ہے کہ ریاستی انجمن کے پاس اپنا کوئی مستقل فنڈ نہیں ہے اور نہ کوئی مستقل ذریعہ آمدنی ہے شاخوں سے جو کچھ ملتا ہے وہ ریاستی شاخ کے روزمرہ کے اخراجات کے لئے ناکافی ہے۔

تنظیم کا سارا بوجھ فی الحال بیگم سلطانہ حیات صاحبہ نائب صدر اور جنرل سکریٹری (راحت علی خاں) پر ہے جس کی وجہ سے باوجود کوشش کے شاخوں کی تنظیم کا معاملہ امید افزا نہیں ہے۔

چونکہ اردو کی ساری لڑائی اتر پردیش میں ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ مرکزی انجمن زیادہ سے زیادہ کام لے تاکہ

(باقی صفحہ ۸ کالم ۲ پر)

مراسلات

سادھو بچے

لکھنؤ میں شاہی کے زمانے سے ایک خاندان چلا آتا تھا جس کے افراد سادھو بچے کہلاتے تھے۔ یہ خوشی کی تقریبوں میں خاص خاص شرفا اور امرا کے یہاں حمد و نعت و منقبت کے اشعار پڑھتے تھے اور انعام و اکرام پاتے تھے اور یہی ان کا ذریعہ معاش تھا۔ ان کے کچھ اصول تھے مثلاً لڑکی کی شادی کے لئے یا مذہبی رسموں یا تقریبوں کے لئے مالی امداد نہیں مانگتے تھے۔ میں نے اس قبیل کے دو آدمیوں کو دیکھا ہے۔ مقبول حسین عرف کربلائی شاہ اور ان کے والد مصطفیٰ شاہ سعد عرف درگاہی شاہ۔ کربلائی شاہ میرے یہاں عید، بقرعید، نوروز، عید غدیر اور بچوں کی شادی کے موقع پر آتے تھے اور اشعار اور رباعیاں تحت اللفظ پڑھتے تھے۔ عام سائلوں کی طرح دعائیں دے دے کر سوال نہیں کرتے تھے۔ جو قلیل رقم ان کو دے دی جاتی تھی اس کو خوشی خوشی قبول کر لیتے تھے۔ جب تک خوش حال نوابوں اور شہزادوں کی ڈیوڑھیاں قائم تھیں ان کی داد و دہش کی بدولت ان کی زندگی آرام سے گزرتی تھی۔ جب اس پیشے سے گزر اوقات ممکن نہ رہی تو اس خاندان کے افراد نے یہ پیشہ ترک کر دیا۔ کربلائی شاہ اس سلسلے کے آخری شخص تھے ماشاء اللہ چہرے مہرے، شاندار قد و قامت کے شریف وضع آدمی تھے۔ ان کے بوڑھے باپ درگاہی شاہ کو بلوا کر میں نے 'سادھو بچے' کی اصلیت دریافت کی۔ انھوں نے بتایا کہ واجد علی شاہ کے عہد میں سعد اللہ شاہ عرف سعدو میاں منقبت خواں تھے۔ شاہی بیگمات کی ڈیوڑھیوں پر روز صبح کو منقبت پڑھتے تھے۔ ان کو روزانہ چاندی کی سینی میں کھانا اور اکیس روپے نقد ملتا تھا۔ ان کے بعد ان کی اولاد سعدو بچے کہلاتی تھی۔ یہی لفظ بگڑ کر اب سادھو بچے ہو گیا ہے۔

• سید مسعود حسن رضوی ادیب
لکھنؤ

استفسار کا جواب

محترمی، سلام مسنون کے بعد عرض ہے کہ ہماری زبان میں آپ کا استفسار پڑھا۔ آپ کا خیال درست ہے کہ پروفیسر براؤن کے شائع کردہ لباب الالباب ج ۲ ص ۲۲۲ میں خاقانی کے حال کا آخری اور مجیر کے حال کا ابتدائی حصہ حذف ہو گیا ہے۔ ہمارے یہاں اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن بھی ہے جسے استاد نفیسی مرحوم نے مرتب کیا ہے۔

انھوں نے اس کمی کو محسوس کر کے مجیر کے حال سے پہلے جو جزوں میں بریکٹس کے اندر مجیر الدین بیلقانی چھاپ بھی دیا ہے، اور حاشیے میں لکھا ہے:

"ازیں پس اصل نسخہ افتادگی دارد، زیرا اشعار کہ
بعد ازیں می آید از مجیر الدین بیلقانی است
و پیداست کہ ترجمۂ مجیر و شاید آغاز اشعار وی
و پایان اشعار خاقانی از نسخہ افتادہ باشد۔"

نفیسی مرحوم کو اس کا کوئی ایسا مخطوطہ نہیں ملا جس سے یہ اور دوسری کمی پوری ہو سکتی۔

رامپور۔ • عرشی

اردو کی بقا کا سوال

جناب آنند نرائن ملا کی موجودگی میں اردو کے لئے میرا کچھ عرض کرنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ میں تو سیدھا سادہ کسان ہوں اور آپ جانتے ہیں کسان اُجڈ قسم کی بات کہنے کا عادی ہوتا ہے اور کہے بغیر رہ بھی نہیں سکتا۔ کبھی کبھی میں سوچتا ہوں، اردو نے کوئی ایسا جرم تو نہیں کیا تھا کہ اسے دیس نکالا دیا جاتا۔ گئے تو انگریز تھے، ان کے ساتھ انگریزی کو جانا چاہئے تھا لیکن قسمت کی ستم ظریفی دیکھئے انگریزی جو ایک غیر ملکی زبان ہے وہ اب تک یہاں براجمان ہے اور اردو جو خالص ہندستانی زبان ہے اس کی جان کے لالے پڑے ہوئے ہیں۔ ۱۸۵۷ء سے لے کر ۱۹۴۷ء تک اس زبان نے انگریز مخالف طاقتوں کے لئے ہتھیار کا کام دیا۔ ملک کے باقی حصوں کا تو مجھے پتہ نہیں لیکن شمالی ہندستان میں انگریز مخالف فوج "سرفروشی کی تمنا" اور "انقلاب زندہ باد" کی توپوں سے گولہ باری کرتی رہی اور جب ۱۵ راگست ۱۹۴۷ء کا آفتاب طلوع ہوا تو انگریزی اس ملک کی قومی بھاشا بن گئی اور اردو کو زبانِ غیر کہہ کر دھتکار دیا گیا۔ کبھی کبھی میں سوچتا ہوں ایسا کیوں ہوا؟ اردو کو مٹانے کی اتنی جلدی کیا تھی؟ آخر اردو نے ایسا کون سا جرم کیا تھا؟ کہ اسی فرصت میں اس کا قتل کر دیا گیا۔ اس میں لسانی جارحیت کے سوا کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ ۲۵ سال بعد اب دیش بھگتوں کو اردو کی بھلائی کا خیال آیا ہے۔ چنانچہ پنجاب میں بھی ایک چودہ ممبری کمیٹی کی تشکیل کی گئی ہے۔ اتنی دیر بعد یہ کمیٹی کیا کرے گی؟ میرے خیال میں کمیٹی کا قیام اس لئے عمل میں لایا گیا ہے کہ دیکھا جائے کہ یہ سخت جان زبان اب تک کیوں سسک رہی ہے۔

پنجاب اردو کا مرکز سمجھا جاتا ہے لیکن وہاں اب یہ حال ہے کہ اردو میں لکھا ہوا اخبار پڑھنے کے لئے لوگوں کو اردو والوں کو تلاش کرنا پڑتی ہے۔ اردو میں لکھے ایڈریس والا خط منزل پر

(باقی صفحہ ۹ کالم ۲ پر)

انجمن کی خبریں

فروغ اردو کمیٹی کے ممبران کی جے پور میں آمد

جے پور میں فروغ اردو کمیٹی کے ممبران آئے اور جناب گجرال صاحب کی موجودگی میں راجستھان کے مختلف مقامات سے آئے ہوئے اردو دوستوں کے بیانات قلمبند کئے گئے۔ ریاستی انجمن کی طرف سے راقم الحروف نے بیان دیا جو سب سے طویل وقفہ (تقریباً ۲۳ منٹ) کا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ایک تحریری عرضداشت اور اس کا انگریزی ترجمہ بھی پیش کیا۔

صبح کو انجمن کے ایک نمائندہ وفد نے گجرال صاحب کا ہوائی اڈہ پر خیر مقدم کیا اور سہ پہر کو ان کے اور فروغ اردو کمیٹی کے دیگر ارکان کے اعزاز میں انجمن کی طرف سے ایک عصرانہ کا اہتمام کیا گیا۔ اس سلسلے میں ہمیں ایک کامیابی اور یہ ہوئی ہے کہ حکومت راجستھان نے بھاشا وبھاگ میں لسانی اقلیات کے مسائل کو حل کرنے کے لئے ایک آفیسر آن اسپیشل ڈیوٹی کا تقرر کر دیا ہے اور شاید اس ماہ کے آخری ہفتہ تک لسانی اقلیات بورڈ کی تشکیل کا اعلان بھی حکومت کی جانب سے کر دیا جائے گا جس میں انجمن کی نمائندگی بھی ہوگی۔

• کلیم الدین عثمانی

مدھیہ پردیش انجمن ترقی اردو کی طرف سے گجرال کمیٹی کو یادداشت

بھوپال:۔ مدھیہ پردیش انجمن ترقی اردو کے صدر جناب فخر الدین اور جنرل سکریٹری پروفیسر آفاق احمد نے مرکزی فروغ اردو کمیٹی کے ممبران کی آمد پر ان سے ملاقات کی اور تحریری طور پر ایک یادداشت بھی گجرال کمیٹی کو پیش کی گئی جس میں اردو والوں کو مدھیہ پردیش کی سب سے اہم لسانی اقلیت قرار دیتے ہوئے مطالبہ کیا گیا کہ بھوپال میں اعلیٰ اردو تعلیم وتحقیق کا ایک مرکز قائم کیا جائے۔ تاکہ یہ مجوزہ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کا نعم البدل بن سکے۔

اس کے علاوہ مدھیہ پردیش اردو اکیڈمی کے قیام کی طرف بھی توجہ مبذول کرائی گئی نیز صوبائی شاسن ساہتیہ پریشد کی تگ و تاز میں اردو کو شامل کرنے اور اردو کتب پر انعامات دینے کے فیصلہ کا خیر مقدم کرتے ہوئے پریشد میں اردو کے دائرۂ عمل کو مزید بڑھانے اور مختلف کمیٹیوں میں اردو کو مناسب نمائندگی دینے کا مطالبہ کیا گیا۔

دوسرے مطالبات میں محکمۂ اطلاعات عامہ سے اردو ماہنامے کی اشاعت، آل انڈیا ریڈیو بھوپال میں اردو شعبہ کا قیام نیز اردو اخبارات میں کام کرنے والے صحافیوں کو مکمل سہولتیں دینے اور ان کے اشتہارات میں اضافہ کرنا شامل تھے۔ علاوہ ازیں، یادداشت میں یہ بھی کہا گیا کہ مدھیہ پردیش میں بھوپال کے علاوہ کھنڈوہ، برہان پور، جبلپور، اندور، اجین، سیہور، جاورہ، رائے پور، بلاسپور، دھار، ابریلی، دیا، گوالیار، رائے سین، ساگر، رتلام، دیواس وغیرہ ایسے شہر اور علاقے ہیں جہاں اردو بولنے والوں کی بڑی تعداد ہے۔ لیکن اردو بولنے والے ان اکثر سہولتوں سے محروم ہیں جو ان کا حق ہے۔ ان میں سرکاری اعلانات واشتہارات کا اردو میں شائع نہ کرنا، درخواستوں کا اردو میں قبول نہ کرنا، بورڈوں کا اردو میں نہ لگانا وغیرہ شامل ہیں۔

یادداشت میں اس بات پر سخت احتجاج کیا گیا کہ مدھیہ پردیش کے نوے قریب ہائر سکنڈری اسکولوں میں اردو کو ایک مضمون کی حیثیت سے پڑھایا جاتا ہے۔ لیکن ان میں اردو کا کوئی لیکچرر نہ ہونا حیرت ناک ہے۔

سہ لسانی فارمولے کو اپنانے پر زور دیتے ہوئے کہا گیا "بورڈ" کا پرانا طریقہ پھر جاری کیا جائے جس میں مادری زبان کی تعلیم لازمی تھی۔ اردو کی نصابی کتب کی اشاعت کی ذمہ داری ٹیکسٹ بک کمیٹی کو قبول کرنے کا مطالبہ بھی کیا گیا۔

• نامہ نگار

اخباروں سے تراشے

پنجاب میں اردو کی ترقی کے لیے مزید اقدامات کا وعدہ

کانپور :- پنجاب کے وزیر اعلیٰ گیانی ذیل سنگھ نے یہاں پریس کلب میں منعقدہ اخبار نویسوں کی ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے انکشاف کیا کہ اگرچہ اردو کو پنجاب کی سرکاری زبان کا درجہ حاصل نہیں ہے تاہم اسے وہاں ایک اونچا اور منصفانہ مقام حاصل ہے اہل پنجاب اردو کا احترام اور اس سے بے پناہ محبت کرتے ہیں انھوں نے مہاراجا رنجیت سنگھ کے عہد سے آج تک واقعات کا تجزیاتی خاکہ پیش کیا اور کہا ہے کہ تب سے اب تک اردو کو پنجاب میں بلند مقام حاصل رہا اور پنجابی کبھی سرکاری زبان نہیں رہی تھی ذیل سنگھ نے کہا کہ ہم نے سہ لسانی فارمولہ کو منظور کر لیا ہے لیکن کوئی بھی شخص کسی بھی تعلیمی ادارہ میں اردو پڑھ سکتا ہے اور اس سلسلہ میں حکومت نے بہتر انتظامات کر رکھے ہیں انھوں نے یہیں انکشاف کیا کہ اردو کی ترقی کے لئے حکومت پنجاب مزید اقدامات کا عزم کئے ہوئے ہے پنجاب کے لوگ زبانوں سے محبت کرتے ہیں اردو اُن کی پیاری اور محبوب زبان ہے گرمکھی کا ادھر فروغ ہوا جو قومی زبان ہے اس کی ترقی کا سلسلہ بھی جاری ہے اردو کو اب مزید سہولتیں دی جارہی ہیں اردو کے لئے ایسی کوششیں کی جارہی ہیں جس سے یہ نہ صرف تحفظ ہی نہیں بلکہ اس کا اور فروغ ہوگا۔

• سیاست جدید، کانپور

ستیہ وتی کو ایجوکیشن کالج میں اردو کی تعلیم کا انتظام

دہلی :- یوتھ اسٹڈی فورم کی کوششوں سے دہلی یونیورسٹی کے ستیہ وتی کو ایجوکیشن کالج تیمار پور نزد یونیورسٹی کیمپس میں اس سال سے اردو کی تعلیم کا بندوبست کیا جارہا ہے۔ جو طلبہ بی اے (پاس) یا بی کام (پاس) کورس میں داخلہ کے خواہشمند ہوں اور اردو پڑھنا چاہیں وہ داخلہ لے سکتے ہیں یوتھ اسٹڈی فورم کی طرف سے طلبہ کے لئے وظائف و دیگر مراعات کا انتظام کیا جارہا ہے داخلے کے سلسلہ میں مزید معلومات دن میں ۲ بجے سے شام پانچ بجے تک مندرجہ ذیل پتہ پر حاصل کی جاسکتی ہیں۔

ناصر نذیر ۷۲۸، نزد ڈاکخانہ جامع مسجد دہلی۔

• الجمعیۃ دہلی

ہردوئی میں اردو مدرسین کا انتخاب

ہردوئی :- ضلع بیسک شکشا ادھیکاری کے ذریعہ معلوم ہوا ہے کہ ہردوئی میں اردو مدرسین کا انٹرویو ۲۸؍جون کو ہوگا آج تک موصولہ درخواستوں کی تعداد تقریباً ۱۲۵ ہے جن میں ۲۰ درخواستیں خواتین کی موصول ہوئی ہیں۔ ضلع میں کل مدرس اور استانیوں کی تقریباً ایک صد آسامیاں ہوں گی۔

مجموعی طور پر -/۱۹۹ ماہوار اور جو ان ٹرینڈ ہوں گے انھیں ۱۲۹ ماہوار مشاہرہ دیا جائے گا۔

• سیاست جدید، کانپور

ہردوئی کی عدالتوں میں اردو میں درخواستیں قبول کرنے کی ہدایت

ہردوئی معلوم ہوا ہے کہ ہردوئی کی تمام عدالتوں میں خواہ وہ دیوانی ہے فوجداری یا کلکٹریٹ سے اترپردیش حکومت کے ایک حکم نامہ کے بموجب تمام متعلقہ افسران کو ہدایت کردی گئی ہے کہ وہ تمام درخواستیں اردو رسم الخط میں قبول کریں اور اس پر یہاں سختی سے عمل بھی شروع کر دیا گیا ہے۔

• سیاست جدید، کانپور

اردو کو جائز مقام دینے کا مطالبہ

کانپور :- شہر کانگریس کمیٹی کے سابق صدر پروفیسر پرتاپ نرائن اور کارپوریٹر شری شیو پرشاد بجارتی نے ایک بیان کے ذریعہ اردو کو اس کا جائز مقام دینے کا حکومت سے مطالبہ کرتے ہوئے کہا کہ اردو کسی خاص فرقہ کی زبان نہیں ہے اس کو آج بھی ملک کے کروڑوں لوگ بولتے اور سمجھتے ہیں۔ آج بھی دیہاتوں میں عام طور پر پڑھی جانے والی کتابیں خواہ طوطا مینا ہو یا آلہ اُس کی اصل زبان اردو ہے۔ بیان میں حکومت سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ اردو کی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ تمام سرکاری نوکریوں میں اس کو جاننا ضروری قرار دیا جائے۔ • قومی آواز، لکھنؤ

ابتدائی درجات کی نصابی کتابوں پر نظر ثانی

لکھنؤ: پہلے سے پانچویں درجہ تک کے نصاب کی کتابوں پر نظر ثانی کرنے کے لئے سابق وزیر اعلیٰ نے اتر پردیش اردو اکاڈمی کی جو ذیلی کمیٹی قائم کی تھی اس نے اپنا کام شروع کر دیا ہے اور اس کا پہلا جلسہ یہاں ۱۱ر جون کو ہوا۔ اکاڈمی کے سکریٹری نے ہر ممبر کو کتابوں کا ایک ایک سیٹ فراہم کر دیا ہے تاکہ وہ اس کا مطالعہ کرنے کے بعد اپنی رائے اور نوٹ لکھیں تاکہ ۲۵ر جون کو ہونے والے جلسے میں اس پر غور کر کے حکومت کو رپورٹ دی جائے۔

یہ کمیٹی قاضی عدیل عباسی۔ ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی ۔ ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی۔ جناب چھیدی لال ساتھی۔ ایم۔ ایل۔ سی اور سلطانہ حیات صاحبہ پر مشتمل ہے۔

کمیٹی کو ایسے ممبروں کا اضافہ بھی کرنے کی اجازت ہے جو اس معاملے میں اپنی صحیح رائے دے سکتے ہوں۔ ان کتابوں کے بعد دسویں درجہ تک کی کتابوں کا جائزہ لیا جائے گا۔ اور اس کی رپورٹ بھی حکومت کو بھیجی جائے گی۔

● صباح الدین عمر سکریٹری ۔ (الجمعیۃ دہلی)

اردو زبان کی انفرادیت اس کے رسم الخط سے ہے

اورنگ آباد: مرہٹواڑہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر جناب آر پی ناتھ نے کہا کہ دیوناگری رسم الخط اختیار کرنے سے اردو کی نشو و نما رک جائے گی۔

یونی ورسٹی کے اردو اساتذہ کی کل ہند کانفرنس کو خطاب کرتے ہوئے جناب ناتھ نے کہا کہ حالانکہ ہندی ایک خوبصورت زبان ہے تاہم اردو کو دیوناگری رسم الخط اختیار کرنے کے لئے مجبور کرنا معقول پسندی نہیں ہے اس سے اردو زبان کی انفرادیت ختم ہو جائے گی۔ انھوں نے کہا کہ اردو زبان کو ختم کرنا گنگا جمنی تہذیب کو ختم کرنے کے مترادف ہوگا۔ جناب ناتھ نے کہا کہ اردو زبان کو ایک انفرادی زبان کی حیثیت سے ترقی کرنے کے لئے ہر قسم کی سہولیات فراہم کرنی چاہئیں۔

● سیاست جدید کانپور

صفحہ ۱۲ سے آگے

چنانچہ ان کانفرنسوں میں جن کا ذکر ابھی کیا گیا، ساری کارروائی انگریزی زبان ہی میں عمل میں لائی گئی۔ یہ بات اور زیادہ چونکا دینے والی اس لئے ہے کہ فرانسیسی خود دنیا کی بڑی زبانوں میں سے ایک ہے اور اردو کو فرانسیسی زبان کے معیار تک پہنچنے میں ابھی نہ جانے کتنی صدیاں درکار ہوں گی۔ جو لوگ اردو کو یونیورسٹی کی سطح پر ذریعہ تعلیم بنانے کے حق میں یہ دلیل قائم کرتے ہیں، اب کل ہند پیمانے پر مقابلے کے امتحانات میں سوالوں کے جواب اردو میں بھی دئے جا سکتے ہیں، ان سے یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ ان کل ہند امتحانوں میں کتنے ایسے طلبہ شریک ہوتے ہیں جن کی مادری زبان اردو ہے؟ اردو کے فروغ کے لئے بنیادی شرط ابتدائی اور ثانوی سطح پر اردو کے ذریعہ تعلیم و تدریس کا انتظام کرنا ہے۔ فی الوقت تو مسلمان گھرانوں کے بچے بھی اردو سے ناآشنا ہوتے جا رہے ہیں سب سے پہلے تو ان کی فکر کرنا چاہئے۔ انگریزی سے کنارہ کشی کر کے ہم نہ تعلیم کا اعلیٰ معیار قائم کر سکتے ہیں اور نہ خالص علمی سطح پر باہر کی تیز رفتار دنیا سے جو علوم کا منبع اور ماخذ ہے، اپنا ربط قائم رکھ سکتے ہیں۔ ہندی سے کنارہ کشی کر کے ہم روزانہ زندگی میں اپنے لئے بیش از بیش مشکلات پیدا کر لیں گے۔ اردو یونیورسٹی کے قیام کا خواب دیکھنے والوں سے ہماری یہی گزارش ہے کہ خدارا عقل کے ناخن لیجئے۔ اور موجودہ اور آئندہ نسلوں کو تباہ کرنے کا بیڑا نہ اٹھائیے یونی ورسٹیوں کی حالت اس وقت تک ہرگز درست نہیں ہو سکتی جب تک کہ ہم ابتدائی اور ثانوی اسکولوں کی حالت کی طرف توجہ نہ کریں کہ اس پوری عمارت کی خشت اول یہی ہیں۔

اسلوب احمد انصاری

میرا صفحہ

کچھ دن قبل اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی تھی کہ آسام کی حکومت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ وہاں یونی ورسٹی کی سطح پر انگریزی بدستور ذریعۂ تعلیم رہے۔ یہ فیصلہ دانشمندانہ اور یہ اقدام قابل مبارکباد ہے۔ جو لوگ یونی ورسٹی کی منزل پر اردو کو ذریعۂ تعلیم بنائے جانے کے حامی ہیں اور اردو یونی ورسٹی کے قیام کے خواہاں ہیں۔ انھیں جذباتیت کی رو میں بہنے کی بجائے اس مسئلے پر سکون قلب کے ساتھ اور معروضی نقطۂ نظر کو کام میں لاکر غور کرنا چاہیے۔ اور اس امر کا جائزہ لینا چاہیے کہ ابتدائی اور ثانوی منزلوں پر ہم نے اردو کو ذریعۂ تعلیم بنانے کا اہتمام کس حد تک کیا ہے؟ ترقی اردو بورڈ کا قیام محض ایک سراب کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور اس کی ناکارکردگی کو ثابت کرنے کے لئے اب کوئی دلیل پیش کرنا سورج کو چراغ دکھانے کے مرادف ہے۔ یوپی اور بہار کی ریاستوں میں سہ لسانی فارمولے کو جس طرح نافذ کیا گیا ہے، اس نے اردو کی بقا اور فروغ کے لئے کوئی گنجائش ہی نہیں چھوڑی ہے۔ یونیورسٹی کی سطح پر اردو میں تعلیم و تدریس کی سہولتوں کا کوئی تذکرہ اس لئے بے معنی ہے، کیونکہ ثانوی درجوں کے لئے بھی ہمارے پاس مناسب کتابوں کا ذخیرہ موجود نہیں ہے۔ حال ہی میں مجھے ایک ایسی کمیٹی میں شرکت کا اتفاق ہوا جہاں بائی اسکول کی جماعتوں کے لئے ایک نئے مضمون یعنی معاشرتی درسیات (SOCIAL STUDIES) کے نصاب کا مسئلہ زیر غور تھا۔ اس کا ایک خاکہ بھی بڑے طمطراق کے ساتھ تشکیل دے لیا گیا تھا۔ صدر جلسہ نے جائز طور پر اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ اکیڈمک کونسل کسی ایسے نصاب کی منظوری نہیں دے سکتی جس کی تدریس کے لئے متعلقہ کتاب کی سفارش نہ کی گئی ہو۔ لہٰذا اس نصاب پر مزید گفتگو لاحاصل معلوم ہوئی، کیونکہ اردو میں کسی ایسی کتاب کے وجود کی نشاندہی نہ کی جاسکی، جسے پڑھنے کی طلباء سے سفارش کی جاسکے۔ یہ ہے ہماری بے بضاعتی کا عالم! ترقی اردو بورڈ کے قیام کو کئی سال گزر چکے ہیں۔ اس دوران میں بورڈ نے چار پانچ کتابیں شائع کی ہیں، جو دراصل پہلے سے چھپی ہوئی کتابوں کے (REPRINTS) ہیں، جن کتابوں کے تراجم زیر غور ہیں، وہ سب بہت اعلیٰ معیار کی ہیں۔ لیکن، جہاں یہ کہنا مشکل ہے کہ ان کا ترجمہ کتنے عرصہ میں مکمل ہو سکے گا، وہاں یہ بتانا دشوار تر ہے کہ ان کا معیار کیسا ہوگا، یعنی وہ اصل تصنیفات کا کتنا ناقص چربہ ہوں گی، کیونکہ ابھی تک اصطلاحات علمیہ کا مسئلہ ہی طے نہیں ہوا ہے۔ ارباب حل و عقد یہ کہتے سنے گئے ہیں کہ ابتدائی اور ثانوی درجوں کے لئے کتابیں تالیف کرانا تو ہمارے پروگرام میں شامل ہی نہیں ہے۔ ہمارا کہنا یہ ہے کہ آپ کے پروگرام میں اسے اولیت حاصل ہونا چاہیے تھی۔ فوری طور سے جن چیزوں کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے وہ ہیں، اوّل اردو کو ان تمام صوبوں میں جہاں اردو بولنے والے کثیر تعداد میں موجود ہیں دوسری سرکاری زبان تسلیم کرانا، دوسرے سہ لسانی فارمولے کا اس طرح نفاذ کرانا کہ اس کے نتیجے کے طور پر اردو زبان سیکھنے والوں کی راہ میں کوئی رکاوٹ پیش نہ آئے، تیسرے یوپی، بہار، آندھرا پردیش، دہلی اور پنجاب وغیرہ میں اردو اسکولوں کا جال بچھا دینا اور چوتھے ابتدائی اور ثانوی مدارج کے لئے اردو میں مختلف مضامین پر آزادانہ طور پر کتابیں تالیف کرانا۔ یونیورسٹی کے مرحلے پر اردو کو ذریعۂ تعلیم بنانے کا سوال اس وقت تک پیدا نہیں ہوتا، جب تک اردو میں کثیر تعداد میں ہر موضوع پر صحت اور اہتمام کے ساتھ کتابیں تالیف نہ کرائی جائیں۔ ظاہر ہے کہ ترجمہ کی گئی کتابیں اس تیز رفتار دنیا میں جہاں مختلف علوم پر یورپ اور امریکہ میں ہر سال ہزاروں کتابیں شائع ہوتی رہتی ہیں، ہماری ضروریات کو ہرگز پورا نہیں کر سکتیں۔

میرے ایک عزیز دوست نے جو حال ہی میں اٹلی، فرانس اور سویڈن میں منعقدہ کانفرنسوں میں شرکت کرکے لوٹے ہیں، مجھے یہ بتایا کہ فرانس جیسے ملک میں جہاں لسانی عصبیت یورپ کے کسی اور ملک کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے (اور اس کا ذاتی تجربہ دوبارہ پیرس کے مختصر دوران قیام میں راقم کو بھی ہوا تھا) اب یہ بات تسلیم کرلی گئی ہے کہ سائنس اور دوسرے علوم کے سلسلے میں انگریزی زبان کو نشر و اشاعت اور علمی اور تعلیمی فروغ کے لئے اولیت کا درجہ دینا ناگزیر ہے۔

(اگلے صفحہ "کالم دوم")

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ، پرنٹر و پبلشر سید تفضل حسین ایم اے نے لطیف کو آپریٹو پریس علی گڑھ میں چھاپا اور دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا